© rasailojaraid.com

شاہد حسین رزاقی

سید امیر علی اور جدید تعلیم

انیسویں صدی کے آخری ربع میں ہندوستانی مسلمانوں کو جن اہم مسائل کا سامنا تھا اور جن کو خوش اسلوبی سے حل کرنا ان کے بگڑے ہوئے حالات کو سدھارنے اور مستقبل کو بہتر بنانے کے لیے نہایت ضروری تھا، ان میں جدید تعلیم کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ اور ملی ترقی، اقتصادی خوش حالی، اور معاشرتی اصلاح جیسے متعدد اہم مسائل کا انحصار بھی اس مسئلہ کو کامیابی سے حل کر لینے پر تھا۔ سید امیر علی مسلمانوں کی تعلیم کے مسئلہ سے پوری طرح باخبر تھے اور ان کو انگریزی تعلیم اور جدید علوم و فنون کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

سرسید اور امیر علی

سرسید اور امیر علی دونوں اس بات پر متفق تھے کہ مسلمانوں کو جدید علوم اور انگریزی کی تعلیم دی جائے لیکن تعلیم کی نوعیت اور چند تعلیمی مسائل پر ان کے نقطۂ نظر میں اختلاف تھا۔ امیر علی کا یہ خیال تھا کہ مسلمانوں کو صرف انگریزی ادب پڑھا دینا کافی نہیں ہے۔ اس قسم کی تعلیم سے کچھ ایسے افراد تو پیدا ہو جائیں گے جو اچھا ادبی ذوق رکھتے ہوں لیکن اس سے عام مسلمانوں کا مسئلہ حل نہ ہو سکے گا۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کو نہ صرف ادبیات بلکہ سائنس، صنعت و حرفت، تجارت، انجینئری، ڈاکٹری اور دوسرے مفید علوم و فنون کی تعلیم دی جائے۔ اور مسلمانوں کے کالجوں میں اس کا انتظام کرنے کی ممکنہ کوشش کی جائے۔ چنانچہ امیر علی کی تحریک پر کراچی میں حسن علی نے جو اسلامیہ کالج قائم کیا تھا اس میں اس نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھا گیا تھا۔ اخلاقی تعلیم و تربیت اور شہری و قومی ذمہ داریوں کے احساس کو بھی امیر علی بہت اہمیت دیتے تھے۔ چنانچہ علی گڑھ ڈ[...] میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ "قومی ترقی کے لیے نوجوانوں کو جدید اور قدیم ادبیات کی تعلیم دینا ہی کافی نہیں۔ اس قسم کی تعلیم افراد کی ذہنی اور اخلاقی نشو و نما کے لیے تو مفید ہوتی ہے۔ لیکن میدان ترقی میں دوسری قوموں کے دوش بدوش چلنے کے لیے ضروری ہے کہ نوجوان اپنی شہری ذمہ داریوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے باخبر ہوں۔ قومی مقاصد کے لیے اجتماعی کوششوں کی اہمیت کو محسوس کریں اور قوم کی فلاح و ترقی کے لیے سرگرم عمل ہوں“۔ امیر علی کے ذہن میں تعلیم کا مقصد اور مفہوم بہت وسیع تھا۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کے لیے سیاسی تربیت کو بھی ضروری سمجھتے تھے، اور سرسید کے اس خیال سے متفق نہ تھے کہ مسلمانوں کے ذہن اور عمل کو صرف درسی تعلیم میں محدود کر دیا جائے اور وہ سیاسی تربیت سے بالکل الگ تھلگ رہیں۔

سرسید جدید تعلیم کو صرف لڑکوں تک محدود رکھنا چاہتے تھے۔ لیکن امیر علی لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کو یکساں اہم سمجھتے تھے اور تعلیم میں عورتوں کی پسماندگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ تعلیم نسواں پر زیادہ سے زیادہ توجہ کرنے کے حامی تھے۔ تعلیمی مسائل پر سرسید سے پوری طرح متفق نہ ہونے کے باوجود امیر علی ان کی بہت قدر اور عزت کرتے تھے۔ اور ان کے کالج کو سارے ہندوستان کے لیے ایک قابل تقلید نمونہ قرار دیتے تھے۔ چنانچہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں صدارتی تقریر کرتے ہوئے انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں مسلمان علی گڑھ کالج جیسے متعدد کالج قائم کریں اور مرکزی کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دے دیا جائے۔

مسلمانوں کی تعلیم سے امیر علی کو جو گہری دلچسپی اور دلی تعلق تھا اس کی بنا پر انھیں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا صدر بنایا گیا۔ اور اس کانفرنس میں انھوں نے جو صدارتی خطبہ پڑھا اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم کے بارے میں ان کے نظریات کیا تھے۔ طریق تعلیم اور نظام تعلیم میں وہ کیا کیا تبدیلیاں کرنا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک تعلیم کے کیا مقاصد تھے۔ اور ان کے حصول میں جو مشکلات حائل تھیں ان کو دور کرنے کی تدبیریں کیا ہو سکتی تھیں۔

۱۸۹۹ء میں ۲۷ سے ۳۱ دسمبر تک مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس کلکتہ میں ہوا جس کی صدارت امیر علی نے کی۔ اور اپنے صدارتی خطبہ میں انھوں نے ان مسائل کی طرف توجہ دلائی جو ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیمی ترقی اور مسلم نوجوانوں کی اچھی تربیت کے لیے بہت اہم تھے۔ امیر علی نے اس بات پر زور دیا کہ بنگال اور دوسرے صوبوں میں علی گڑھ کالج جیسے تعلیمی ادارے قائم کیے جائیں۔ چنانچہ سرسید کی خدمات کو سراہتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اس مشہور اور نامور شخص کی ان تھک کوششوں نے صوبہ مغربی و شمالی (یو۔پی) میں ایک ایسی درس گاہ بنا دی ہے جو میرے نزدیک اس بات کی مستحق ہے کہ تمام ہندوستان لازمی طور سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی تقلید کرے۔ کراچی میں بھی ایک کالج ہے جو انہی اصولوں پر قائم کیا گیا ہے۔ اور حالی میں مسلمانوں نے لاہور میں بھی ایک کالج قائم کیا ہے۔ لیکن مسلمانانِ بنگال ایسے خوش نصیب نہیں کہ ان کا بھی کوئی کالج ہوتا۔ ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل کو مسلمانوں کی تعلیمی ترقی سے ہمدردی تھی اور اس کی وجہ سے کلکتہ مدرسہ قائم کیا گیا۔ اس مدرسہ سے نہ صرف بنگال بلکہ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اور اس تعلیم گاہ سے آئندہ بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ لیکن اس مدرسہ کو قائم کرنے کے اصلی اغراض و مقاصد اس وقت تک پورے نہیں ہو سکتے جب تک کہ اس کی تنظیم نئے طریقے پر نہ کی جائے اور اس کو موجودہ زمانہ کی اخلاقی و تعلیمی ضروریات کے مطابق نہ بنایا جائے۔ میری رائے یہ ہے کہ اس کو علی گڑھ کالج کے مطابق بدل دیا جائے اور وہاں ایسی تعلیم دی جائے جو طلبا کو ایک ترقی پذیر معاشرہ کا مفید اور معزز رکن بنا دے۔ آج ہم زندگی کی جس کشمکش میں مصروف ہیں اس میں اگر ہم جدید تعلیم کو پرانی تعلیم کے ماتحت رکھیں گے تو گویا آپ اپنے پیروں پر کلہاڑی ماریں گے۔

مروجہ نظام تعلیم کے نقائص

طرزِ تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے امیر علی نے یہ خیال ظاہر کیا کہ مروجہ نظام تعلیم مسلمانوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔ کوئی ایسی تعلیم مکمل یا جامع نہیں کہلائی جا سکتی جس کا مقصد کیرکٹر کی اصلاح و درستی نہ ہو۔ لیکن اس سلسلۂ تعلیم میں جو اس ملک میں رائج ہے کیرکٹر کی اصلاح، اخلاقی قویٰ کی تربیت اور نفس کی تہذیب کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ میری ہمیشہ سے یہ رائے ہے کہ تعلیم کو، اور خصوصاً ابتدائی مدارج میں، ہر قوم کی خاص خاص ضرورتوں اور اخلاقی تقاضوں کے مطابق بنایا جائے۔ اگر ہم اپنے نوجوانوں کو معاشرہ کا مفید، لائق اور کارکرد رکن بنانا چاہتے ہیں تو سب سے زیادہ ان کی اخلاقی تعلیم پر زور دینا چاہیے۔ ہم کسی بچہ سے یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ خوش اطوار اور وفادار شہری اور معاشرہ کا مفید اور کارکرد رکن بن سکے گا جب تک کہ ہم اس کو راست خیالی کے فرض سے آشنا نہ کریں جو نیک زندگی کی مقدم شرط ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو حتی الامکان یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے نوجوانوں کے لیے خود اپنی درسگاہیں قائم کریں۔ جہاں ان کے لڑکے مغربی علوم و فنون اور تہذیب و سیاست سے مستفید ہو سکیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اخلاقی تربیت حاصل کریں جو ہر فرد کے کیرکٹر کی اصلاح کے لیے لازمی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلیم کو قومی ضروریات کے مطابق بنایا جائے

کئی صدیاں گزر گئیں کہ تربیت اور سیاست کی برکتوں اور تہذیب کے فضائل سے فیض یاب ہونے کے لیے اہل مغرب، عرب کے قدموں پر گر رہے تھے۔ مگر آج وہی سبق مشرقی دنیا کو مغرب سے سیکھنے پڑتے ہیں۔ دس صدیاں پہلے اسپین کے شائستہ عیسائی عربی تہذیب کی روشنی پر مفتون ہو کر اپنی فاتح قوم کی زبان لکھتے اور بولتے تھے۔ اور ان کے عادات و خصائل اختیار کر لیے تھے۔ آج وہی اثر ہم کو پوری تعلیم و تربیت کی طرف کھینچ رہا ہے۔ اور اپنا شیدا بنا رکھا ہے۔ اس بات پر ناراض یا رنجیدہ ہونے سے کوئی فائدہ نہیں اور نہ یہ کہنے سے کچھ حاصل ہے کہ مغربی افکار کے بیش بہا خزانوں سے فائدہ اٹھانا ذلت کی دلیل ہے۔ اور یہ قوم کو کسر شان اور بے وقعتی کی طرف مائل کرتا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کاہل اور سرگرم عمل اور لکیر کی فقیر اور روز افزوں ترقی پذیر اقوام کے باہمی میل جول کا ناگزیر نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ جو قوم زندہ اور ترقی پذیر قوم کے قدم بقدم چلنا چاہتی ہے اس کا اولین فرض یہ ہے کہ قدیم رواج کے بوسیدہ نقاب کو خیر باد کہے اور مغربی تعلیم اور تہذیب کو اپنی ضروریات کے مطابق بنائے تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ وہ زمانے کے تقاضوں کو بخوبی سمجھتی ہے۔ جس زمانہ میں عربوں نے یورپ والوں کو تعلیم دی تھی اس وقت سے اب تک بے شمار انقلاب ظہور میں آئے ہیں۔ علم زبردست قوت ہے۔ اس لیے علم کے ساتھ قوت بھی مشرق سے مغرب کو سدھار گئی۔ علم ایک دولت ہے۔ اس لیے علم کے ساتھ دولت و ثروت بھی اسی سمت کو پرواز کر گئی۔ جو قوم اپنا اقبال کھو بیٹھتی ہے وہ علم حاصل کر کے ایک حد تک اس کی تلافی کر سکتی ہے۔ آج ہم ایک نئی صدی کے آستانے پر کھڑے ہیں۔ اور آئندہ صدی میں ترقی کی جو امیدیں ہو سکتی ہیں ان کا تصور کر کے خوش ہوتے ہیں۔ ہمارے نوجوانوں کو یہ امید رکھنی چاہیے کہ جس صدی کے آغاز میں وہ جد و جہد کر رہے ہیں وہ ان کی قوم کی علمی ترقی اور فلاح و بہبود کا دور ہوگا اور یہ بھی بھروسا رکھنا چاہیے کہ ہر فرد کی مساعی پر اس کی قوم کی ترقی منحصر ہوتی ہے۔

علم کا حصول خواہ وہ کسی زبان کے ذریعہ سے ہو ہر فرد کی اخلاقی ترقی کا باعث ہوتا ہے۔ اب لوگ عام طور پر یہ تسلیم کرنے لگے ہیں کہ جہل خرابیوں کی جڑ ہے۔ مگر اس بات کو ثابت کرنے اور قوم کو خواب غفلت سے بیدار کرنے میں کئی سال صرف ہو گئے۔ اور اس دوران میں ہمارے ہم وطنوں کا بہت بڑا گروہ ہم سے بہت آگے نکل گیا۔ اگر ہم [illegible] تو کس قدر مفید ہوتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان خارجی اسباب پر بحث کرنا لاحاصل ہے جو ہماری غفلت کا باعث ہوئے ہیں۔ لیکن موجودہ حالات میں یہ امر یقینی ہے کہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود خود مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ ہمیں تیرہ سو برس پہلے یہ بتلایا گیا تھا کہ خدا بندوں کی حالت اس وقت تک تبدیل نہیں کرتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو تبدیل نہ کریں۔ مدد اور ترقی خدا کی طرف سے آتی ہے۔ مگر کوشش اور اس کا احساس خود ہمارے دلوں میں پیدا ہونا لازمی ہے۔

مسلمان جدید طرز کے کالج قائم کریں

اس وقت ہمارے دو کالج موجود ہیں۔ ایک تو اس عظیم شخص کی کوشش کا نتیجہ ہے جس کی یاد ہمارے دلوں میں تازہ ہے اور دوسرا اس شخص نے قائم کیا ہے، جس کا نام شاید اس کے صوبے کے باہر تو معلوم نہیں ہے اور اگر معلوم ہے تو لوگ اسے بھول گئے ہیں۔ ان دونوں درسگاہوں میں سے ایک کی حالت تو اچھی سننے میں آئی ہے اور دوسرے کی نسبت تھوڑے دنوں سے کوئی خبر معلوم نہیں ہوئی۔ مگر امید ہے کہ وہ بھی اچھی حالت میں چل رہا ہے۔ حسن علی نے جو کام سندھ جیسے صوبہ میں دو تین سال کے عرصہ میں کر دکھایا ہے، وہ ہم سب کی رہنمائی کے لیے ایک مثال ہونا چاہیے۔ جو اہم کام سر سید احمد مرحوم نے کیا ہے، میں یہاں اس کا ذکر اس لیے نہیں کرتا کہ یہ ایک ایسی کامیابی ہے جو بہت کم کسی کو نصیب ہو سکتی ہے۔ لیکن جو کام حسن علی نے مسلمانوں کی تعلیم کے لیے کیا ہے، وہ بہت سے لوگوں کے حیطۂ قدرت میں ہے۔ ۱۸۸۴ء میں جب میں کراچی گیا تو میں نے وہاں مسلمانانِ ہند کی خراب حالتِ تعلیم پر ایک لکچر دیا تھا۔ چنانچہ اسی وقت ایک کمیٹی قائم ہو گئی اور کافی روپیہ اس غرض سے جمع ہو گیا کہ ایک اسکول اسی طرز کا کھولا جائے جیسا کہ علی گڑھ کالج ہے۔ امیر خیرپور نے کثیر رقم دے کر امداد کی۔ اور کمیٹی کے ممبر مالی اور اخلاقی مدد حاصل کرنے کے لیے تمام ہندوستان میں پھرے۔ حسن علی اور ان کے رفقا سال ڈیڑھ سال میں ایک کالج قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کے نصابِ تعلیم میں علاوہ عام تعلیم کے ایک صیغہ صنعت و دستکاری کے لیے بھی مخصوص کیا گیا۔ ہمیں ایسی ہی تعلیم گاہیں قائم کرنا چاہیے۔ میرے ہم مذہب بھائیوں میں جو لوگ روشن ضمیر اور سر برآوردہ ہیں، میں پُرزور طریقہ پر ان کو توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ جہاں کہیں کافی وسائل مہیا ہوں اور ضروری امداد پہنچ سکتی ہو، وہاں ایسے اسکول ضرور قائم کیے جائیں جن میں اسی ڈھنگ پر تعلیم دی جائے۔ فی الحال ہمارے پاس ایک بڑا اور ترقی پذیر کالج علی گڑھ میں ہے [illegible] کراچی اور لاہور میں ہیں۔ لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دو یا تین کالج سات کروڑ مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات پوری نہیں کر سکتے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر ضلع یا چند اضلاع کے واسطے علی گڑھ کالج کے نام پر اینگلو اورینٹل محمڈن اسکول کھولے جائیں جو کالجوں کے واسطے معاون کا کام دیں۔ یہ کام بہت بڑا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ صرف یہی نہ ہوگا کہ سنٹرل کالج کو اعلیٰ درجہ کی حالت میں قائم رکھا جائے اور وقتاً فوقتاً اس کے دائرہ کار میں اضافہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ ہی ایک بڑی تعداد میں ایسے اسکول قائم رکھنے کی بھی کوشش کرنی پڑے گی جو مرکزی ادارہ کی شاخیں ہوں گے۔ لیکن اگر ہم صدق دل سے اور جوش کے ساتھ اس گاڑی کو ڈھکیلنے میں زور کریں گے تو یہ کام ایسا مشکل اور دقت طلب نہ ہوگا جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے۔

تعلیم نسواں بہت اہم اور ضروری ہے

سید امیر علی نے یہ بات وضاحت سے بیان کی کہ نفسانیت اور اخلاق و کردار کی دوسری خرابیاں مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہوئی ہیں۔ اور ان سے قومی مفاد کو ہمیشہ نقصان پہنچا ہے۔ ان برائیوں کو دور کرنا ضروری ہے، اور ابتدائی تعلیم پر خاص توجہ کرنے سے ان کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ بچوں کو ایثار اور نفس کشی کی تعلیم دے کر نفسانیت جیسی برائی ختم کی جا سکتی ہے۔ ابتدائی تعلیم سے عمدہ نتائج حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت آغوش مادر میں ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہماری مستورات بچوں کو صحیح تعلیم دے سکیں گی۔ اس کا جواب دیتے ہوئے امیر علی نے کہا کہ ایک زمانہ تھا کہ مسلمان عورتیں امہات الرجال کہلاتی تھیں۔ کیا ہم ان کو اب بھی وہی نام دے سکتے ہیں۔ عورتیں ہمیشہ وہی رہی ہیں اور وہی رہیں گی جیسا مرد اُن کو بناتے ہیں۔ مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ اگر ہم تہذیب میں ترقی کرنا اور مہذب دنیا کی نگاہ میں وقعت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی عورتوں کو اسی مرتبے پر پہنچا دینا چاہیے جو پہلے ان کو حاصل تھا۔ ترکی اور مصر میں بڑے بڑے اور ترقی پذیر مدارس لڑکیوں کی تعلیم کے واسطے موجود ہیں اور مسلمان عورتوں کو سوسائٹی میں پھر وہی درجہ حاصل ہوتا جاتا ہے، جو اسلام کے عروج کے زمانے میں تھا۔ میری رائے میں لڑکیوں کی تعلیم لڑکوں کی تعلیم کے متوازی چلنا چاہیے تاکہ سوسائٹی کی ترقی پر اس کا مفید اثر پڑے۔ جب ترقی کے دونوں جزو برابر اور متناسب نہ ہوں گے تو کوئی عمدہ نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

© rasailojaraid.com